احمد ندیم قاسمی کی افسانوی تکنیک

(آغاز سے ۱۹۴۷ء تک)

ڈاکٹر سلمان علی*

Abstract:

Ahmad Nadeem Qasmi is a multidimensional personality of Urdu Literature. In this article the author analysis his short stories and indicates his different techniques which Qasmi's used in his short stories

احمد ندیم قاسمی کی شخصیت ادب میں ہمہ گیر حیثیت کی حامل ہے وہ بیک وقت افسانہ نگار، شاعر، نقاد اور صحافی ہیں۔ زندگی کی تصویر کشی کے لیے دیہاتی زندگی کو اپنے افسانوی فن کا محور بنانے کی بناء پر قاسمی، پریم چند کی روایت سے وابستہ سمجھے جاسکتے ہیں۔ لیکن فنی چابکدستی، مشاہدہ کی گہرائی، انسانی فطرت کے گہرے شعور پر قدرت سے انہوں نے اس روایت کو نقطۂ عروج تک پہنچایا۔ ۱۹۴۷ء تک احمد ندیم قاسمی کے مندرجہ ذیل افسانوی مجموعے منظر عام پر آئے۔

چوپال، بگولے، طلوع وغروب، گرداب، سیلاب، آنچل، آبلے

قاسمی صاحب نے اپنے تصورفن کی وضاحت کرتے ہوئے ''طلوع وغروب'' کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

> ''حقیقت یہ ہے کہ شمال مغربی پنجاب سے زیادہ میں نے دنیا کے اور کسی حصے کا اتنا گہرا مطالعہ نہیں کیا اور جہاں تک مجھے پنجاب کے دیگر اضلاع کو دیکھنے کا موقع ملا ہے، میں نے دیہی زندگی کے بنیادی اُصولوں میں کوئی اختلاف نہیں پایا۔ گاؤں میرے افسانوں کے لیے صرف پس منظر کا کام دیتا ہے اور اس میں رہنے اور بسنے والے انسان میرے افسانوں کے کردار ہیں۔ انسانی دل کی دھڑکن دنیا کے ہر حصے میں یکساں ہے، دکھ سکھ کا قانون ہندوستان کے دیگر حصوں اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی وہی ہے جو ان دیہات میں رائج ہے۔''[۱]

* اُستاد شعبۂ اُردو، پشاور یونیورسٹی، پشاور

''طلوع وغروب'' کے دو سال بعد ''آنچل'' میں قاسمی نے مذکورہ بالا تصور کی مزید وضاحت کی ہے اور اس سوال کا جواب دیا ہے کہ میں افسانہ کیوں لکھتا ہوں؟ ملاحظہ کیجئے:

> ''میں پھولوں کے انبار کو پسند نہیں کرتا گلدستوں میں پتیوں کے مُڑ جانے کا احتمال ہوتا ہے میں ستاروں کے جمگھٹ کو پسند نہیں کرتا، اس طرح نگاہیں بھٹک جاتی ہیں۔ میں انسانوں کے ہجوم کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ ہجوم کا تصور صرف قیامت سے متعلق ہے۔--------- مجھے ایک پھول، ایک ستارہ، ایک انسان چاہیئے ______ اور اس وحدت کو صرف افسانہ ہی سہارا دے سکتا ہے۔ میں ایک پھول کی پنکھڑیوں کا ذکر کروں گا، تو سب پھولوں کی نمائندگی ہو جائے گی، میں ایک ستارے کی پرواز کا حال بتاؤں گا تو سارے نظام شمسی کی سیمابی سرشت کا احساس مکمل ہو جائے گا۔ میں ایک انسان کو اپنے فن کا مرکز بناؤں گا تو ہبوطِ آدم سے لے کر موجودہ دور تک کا انسانی سفرنامہ سامنے آ جائیگا، مجھے وحدت سے محبت ہے، نقادوں کی زمانی اور مکانی وحدتیں میرے نزدیک محض اضافی حیثیت رکھتی ہیں، مجھے ایک خدا چاہئے اور ایک کائنات اور ایک انسان، متفق اور مجتمع! ______ اور اسلئے میں افسانہ لکھتا ہوں!------ اگر میری کوئی تکنیک ہے تو وہ محض خلوص ہے۔ اگر میرا کوئی موضوع ہے تو وہ محض انسانی زندگی ہے۔ اگر میرا اسلوب ہے تو وہ محض میرے شاعرانہ افتادِ طبع کا پرتو ہے۔''[۲]

یہ اقتباس اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس سے نہ صرف مختصر افسانے کے فن پر روشنی پڑتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس اقتباس کو قاسمی صاحب کے اپنے افسانوں اور ان کی تکنیکی اساس کی تفہیم کے لیے بھی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔

''چوپال'' ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے۔ جس میں کل چودہ افسانے شامل ہیں۔ اس مجموعے میں بلا شک وشبہ پنجاب کے دیہات کے بھرپور عکاسی کی گئی ہے مگر ان تمام افسانوں میں افسانہ نگار ندیم کی جگہ شاعر ندیم نظر آتا ہے بلکہ انہوں نے ہر افسانے سے پہلے کسی نہ کسی شاعر کے ایک دو شعر بھی درج کئے ہیں۔

جیسے ''بے گناہ'' سے پہلے اقبال کے دوشعر ''دیہاتی ڈاکٹر'' سے پہلے احسان دانش کا ایک شعر ''بوڑھا سپاہی'' سے پیشتر اختر شیرانی کے تین شعر، ''ننھا مانجھی'' سے پہلے فانی کا ایک شعر، ''ہرجائی'' سے پہلے حفیظ ہوشیاری پوری کا ایک شعر، ''مسافر'' سے پہلے میرؔ ''غیرت مند بیٹا'' سے پہلے اقبال، ''حق بجانب'' سے پہلے سیماب ''آرام'' سے پہلے حامد علی خان، ''وہ جا چکی تھی'' سے پیشتر اصغر گونڈوی، انتقام سے پہلے غالب، ''غروب نفس'' سے پہلے جوش اور ''یہ دیا کون جلائے'' سے پہلے غالب کا ایک ایک شعر درج کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ان افسانوں میں مثالیت اور تفصیل پسندی نے تکنیکی حسن پر دبیز پردے ڈال دیئے ہیں جس کی وجہ سے فنی وقار اور رتبے کو نقصان پہنچا ہے۔

''طلوع وغروب'' ایک رومانی افسانہ ہے ''محدب شیشے میں سے'' کی طرح اس افسانے کو بھی تکنیکی لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو اس ترتیب سے ہیں۔ سنہرا غبار۔۔۔۔ چکا چوند۔۔۔۔۔ دُھندلکے۔۔۔۔۔۔ عنوانات تو تین ہیں مگر اس سے نہ صرف افسانے کی وحدت برقرار ہے بلکہ یہ مختلف عنوانات کہانی کو آگے بڑھانے اور اس کی معنویت کے لیے بھی ممد ثابت ہوتے ہیں۔

''فقیر سائیں کی کرامات'' شروع سے لے کر آخر تک مکالماتی تکنیک میں پیش کیا گیا ہے۔

''میرا دیس'' کا آغاز تکنیکی لحاظ سے انشائے لطیف اور خطابت کے نمونے کی طرح ہوتا ہے ملاحظہ کیجئے:

> ''میں جس دیس کی بات کرتا ہوں وہ اس دیس سے بالکل الگ ہے جہاں گاڑیاں چلتی ہیں اور موٹریں بھنبھناتی ہیں۔ جہاں ساریاں سرسراتی ہیں اور باسی ہونٹ ہمیشہ لپ اسٹک کے محتاج رہتے ہیں۔ میں تو اس دیس کی باتیں کرتا ہوں جہاں چلنے کے لیے پاؤں استعمال کئے جاتے ہیں، اور سنگار کے لیے ارغوانی پھول۔ وہاں ایسی صاف سڑکیں بھی تو نہیں ہوتیں پتلی پتلی پگڈنڈیاں کھیتوں میں لہراتی، ڈھیریوں پر لپکتی، ہرتی پھرتی ہزاروں پاؤں کے مبہم نشانوں سے سجی ہوئی اُفق کے دھندلکوں میں ڈوب جاتی ہیں۔ دراصل میں جس دیس کی باتیں کرتا ہوں وہ دیس تمہیں بھائے گا نہیں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ باتیں مجھے ضرور کہنی ہیں اور تمہیں ضرور سننی ہیں۔'' [۳]

اس کے بعد اس افسانے میں بعض جگہوں پر RUNNING COMMENTARY کی تکنیک

بھی استعمال کی گئی ہے جیسے:

''وہ دیکھئے وہ سامنے گاؤں کی تنگ گلی میں ایک چھوکری سر پر گھاس کا بہت بڑا گٹھا دھرے لڑکھڑاتی آرہی ہے'' [۴]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مائیکروفون ہاتھ میں لیے کھڑا ہے اور گردوپیش کے واقعات کے متعلق بولتا جارہا ہے اور اس پر تبصرہ بھی کر رہا ہے لیکن یہ مسلسل تبصرہ کم اور مصنف کا تخیل زیادہ ہے یہ تکنیک جزوی طور پر اس افسانے میں استعمال کی گئی ہے۔

''الجھن'' کا ابتدائیہ تکنیکی لحاظ سے بڑا منفرد ہے کیونکہ چند ایک جملوں میں پورے افسانے کا مغز پیش کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

''برات آئی، دُعائے خیر کے لیے ہاتھ اُٹھائے گئے اور اس کے بیاہ کا اعلان کر دیا گیا'' [۵]

اس کے بعد مذکورہ ابتدائیہ کی وضاحت خود کلامی اور بیانیہ تکنیک کے خوبصورت رچاؤ کے ساتھ کہانی کو آگے بڑھایا گیا ہے۔

ندیم کے افسانوں میں ایک اور تکنیک بھی قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ کہانی بیان کرتے ہوئے وہ کوئی خاص تشبیہ یا جملہ سامنے لاتے ہیں اور پھر پورے افسانے میں موقع ومحل کے مطابق اس کی تکرار سے افسانے کی معنویت اور خوبصورتی بڑھاتے رہتے ہیں ملاحظہ کیجئے:

''نائن یوں ہنسنے لگی جیسے ٹین کے ڈبے میں کنکر ڈال کر اُسے لڑھکا دیا جائے۔'' [٦]

''ٹین کے ڈبے میں کنکر کے لڑھکنے'' کو اس افسانے میں تقریباً دو تین جگہوں پر استعمال کیا گیا ہے جس سے افسانے کا تکنیکی حسن دوبالا ہوگیا ہے اس طرح یہی تکنیک ''بڈھا'' میں بھی استعمال کی گئی ہے لیکن ''بڈھا'' کا ابتدائیہ تکنیکی لحاظ سے ''منظریہ'' ہے جسے ندیم نے اس مہارت سے پیش کیا ہے کہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے حرکت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے بلکہ ہر لفظ نے ایک وجود اختیار کرلیا ہے، ملاحظہ کیجئے:

''جب منڈیروں پر پھُدکتی ہوئی چڑیاں ایک دم بھرر سے فضا میں اُبھر جاتیں اور کُھرلیوں کے قریب کھڑیاں بنے ہوئے بچھڑے اپنے لمبے لمبے کانوں کے

آخری سرے ملا کر محرابیں سی بنا لیتے تو جھکی ہوئی دیواروں کے سائے میں بیٹھے ہوئے کسان مسکراتے اور خشک تمبا کو کو ہتھیلیوں میں ملتے ہوئے یا کھیس کے دھاگوں میں بل ڈالتے ہوئے کہتے ''بابا عمرو کھانسا ہے!''[۷]

علاوہ ازیں ''بڈھا'' میں بابا عمرو کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات جمع کئے گئے ہیں جس سے بابا عمرو کی شخصیت سامنے آتی ہے، اسلوب اور انداز میں افسانویت ہے اس لیے تکنیکی لحاظ سے ''بڈھا'' کو ہم ''افسانوی خاکہ'' کہہ سکتے ہیں۔

''ایک رات چوپال پر'' میں دیہاتیوں کی ضعیف الاعتقادی اور سائنسی ایجادات اور انکشافات کے سلسلے میں ان کے ردوقبول کا دلچسپ قصہ ہے، انداز کسی حد تک انشائیہ کا ہے۔ کیونکہ بے تکلف دوستوں کی محفل ہے اور بات سے بات بنتی چلی جا رہی ہے۔

''حیوان اور انسان'' سجاد حیدر یلدرم کی کہانی ''چڑیا چڑے کی کہانی'' کی معنوی توسیع ہے ''حیوان اور انسان'' میں جانوروں کی محبت اور تلون کے اثرات انسانی جذبات پر اس طرح سایہ فگن دکھائے گئے ہیں کہ اس میں تکنیکی لحاظ سے تمثیلی اشاریت پیدا ہوگئی ہے۔

تکنیکی لحاظ سے ندیم کے افسانوں کی ایک خوبی اس کی حسن کاری بھی ہے جو ان کے انداز تحریر اور زاویہ نگاہ کے فن کارانہ ملاپ سے جنم لیتی ہے ندیم ماحول کی تصویر میں دلکش رنگوں کے استعمال پر خصوصی توجہ دیتے ہیں یوں بھی ان کے افسانوں میں پس منظر بننے والا علاقہ بذاتِ خود کشش انگیز ہے مگر موقع محل اور دیہی فضا سے ہم آہنگ تشبیہات اور استعارات کا استعمال ندیم نے جس ندرت اور ژرف نگاہی سے کیا ہے وہ قابل دید ہے۔ ملاحظہ کیجئے چند مثالیں:

''کونے میں گودڑوں کے انبار سے صابی یوں اُٹھی جیسے گرد آلود صدف سے موتی اُچھل پڑے۔ میری طرف یوں دیکھا جیسے دیہاتی چھوکرے ہوائی جہازوں کو دیکھتے ہیں۔ شانوں اور گالوں پر چھائے ہوئے بالوں کا پیٹھ پر ڈھیر لگاتی دوسرے کونے میں یوں سرک گئی جیسے ناگن تالاب سے نکل کر جھاڑی میں گھس جائے۔''[۸]

''اس کی ساس اس سے یوں لپٹ گئی جیسے گوری نے شراب پی رکھی ہے اور

ساس کو اس کے لڑکھڑا جانے کا خوف دامن گیر ہے۔'' [۹]

'' گاؤں والیاں آنے لگیں۔ اکنی چونی اس کے مردہ ہاتھ میں ٹھونس دی اور گھونگھٹ اُٹھا اُٹھا کر بٹر بٹر اس کے چہرے کو گھورا جانے لگا۔ جیسے لاش کے چہرے سے آخری دیدار کی خاطر کفن سرکا دیا جاتا ہے!'' [۱۰]

'' نائن یوں ہنسنے لگی جیسے ٹین کے ڈبے میں کنکر ڈال کر اُسے لڑھکا دیا جائے۔'' [۱۱]

'' بابا عمرو چونک اُٹھتا، اور پھر اُس کے لبوں پر ایسی جناتی مسکراہٹ نمودار ہونے لگتی جیسے ٹوٹے پھوٹے قبرستان میں چاندنی'' [۱۲]

'' بابا عمرو خوش ہو کر ہنستا اور کھانستا۔ نیا نیا رہٹ رُک رُک کر چلنے لگتا۔ تانبے کے کنویں میں پتھر لڑھکنے لگتے۔'' [۱۳]

ندیم کے پاس تشبیہات واستعارات اور امیجز کا وافر ذخیرہ موجود ہے جو ان کے افسانوی تکنیک میں نکھار پیدا کرتی ہے۔

تطبیق یعنی IDENTIFICATION کی تکنیک بھی ندیم کے ہاں ملتی ہے۔ اس تکنیک کے باعث قاری خود کو افسانوی فضا کا ایک حصہ محسوس کرتا ہے اور اپنی ذات کو کرداروں سے ہم آہنگ کر کے افسانہ کی روح کو اپنی شخصیت میں سمو لیتا ہے یہ ایک خاص نفسیاتی کیفیت ہے۔ ملاحظہ کیجئے چند مثالیں:

'' جب کھجوروں کے جھنڈ میں کسی پرندے کی دکھی دکھی سہمی سہمی تانیں سنیں اور پھر ان تانوں کو میں نے مجسم صورت میں فضا کے بے پناہ بھورے خلا میں کسی بھاگتی ہوئی خوفزدہ دوشیزہ کے گھنگھریالے بالوں کی طرح لہراتا دیکھا۔۔۔'' [۱۴]

''اس کے سر پر دوسری گاگر رکھ دی گئی تو بیٹھ جائے گی بزدل اونٹنی کی طرح!'' [۱۵]

''اس نے پلٹ کر شریف کی طرف دیکھا۔ دونشوں بھری آنکھیں اوپر فضا میں اُٹھ کر شریف کے سامنے آگئیں اور اُن کی صاف پتلیوں میں اُسے اپنا عکس نظر

آنے لگا۔‘‘[۱۶]

ندیم نے آغاز سے ۱۹۴۷ء تک اپنے افسانوں میں تکنیک کے جو تجربات کیے تو اس سے جہاں ایک طرف ان کی تکنیکی اپج اور خلاقی کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف ان کے ہاں لحہ بہ لحہ ایک ارتقائی صورت بھی دیکھنے کو ملتی ہے یہ سب کچھ بغیر ریاض کے ممکن نہیں حسن عابدی کی یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ ندیم کی تحریر میں بے ساختگی اور روانی پائی جاتی ہے جو سالہا سال کی شب بیداری اور مشق تحریر کا عطیہ ہے۔[۱۷]

حوالہ و حواشی

۱۔ دیباچہ طلوع وغروب		ص۷،۸
۲۔ دیباچہ آنچل		ص۹،۱۰
۳۔ میرا دیس	مشمولہ طلوع وغروب	ص۹۳
۴۔ ایضاً		ص۹۴
۵۔ الجھن	مشمولہ سیلاب وگرداب	ص۱۲
۶۔ ایضاً		ص۱۷
۷۔ بڈھا	مشمولہ سیلاب وگرداب	ص۲۶
۸۔ محدب شیشے میں سے	مشمولہ آنچل	ص۸
۹۔ الجھن	مشمولہ سیلاب وگرداب	ص۱۴
۱۰۔ ایضاً		
۱۱۔ ایضاً		ص۱۷
۱۲۔ بڈھا	مشمولہ سیلاب وگرداب	ص۲۷
۱۳۔ ایضاً		ص۲۹
۱۴۔ طلوع وغروب		ص۱۱
۱۵۔ جوانی کا جنازہ	مشمولہ طلوع وغروب	ص۱۰۴
۱۶۔ چھاگل	مشمولہ طلوع وغروب	ص۱۴۷
۱۷۔ ندیم افکار نمبر		ص۴۵۸

کتابیات

۱۔	آنچل	احمد ندیم قاسمی	گلوب پبلشرز لاہور ۱۹۹۰ء
۲۔	سیلاب و گرداب	احمد ندیم قاسمی	گلوب پبلشرز لاہور ۱۹۹۱ء
۳۔	طلوع و غروب	احمد ندیم قاسمی	گلوب پبلشرز لاہور ۱۹۸۷ء
۴۔	ندیم افکار نمبر	لاہور	